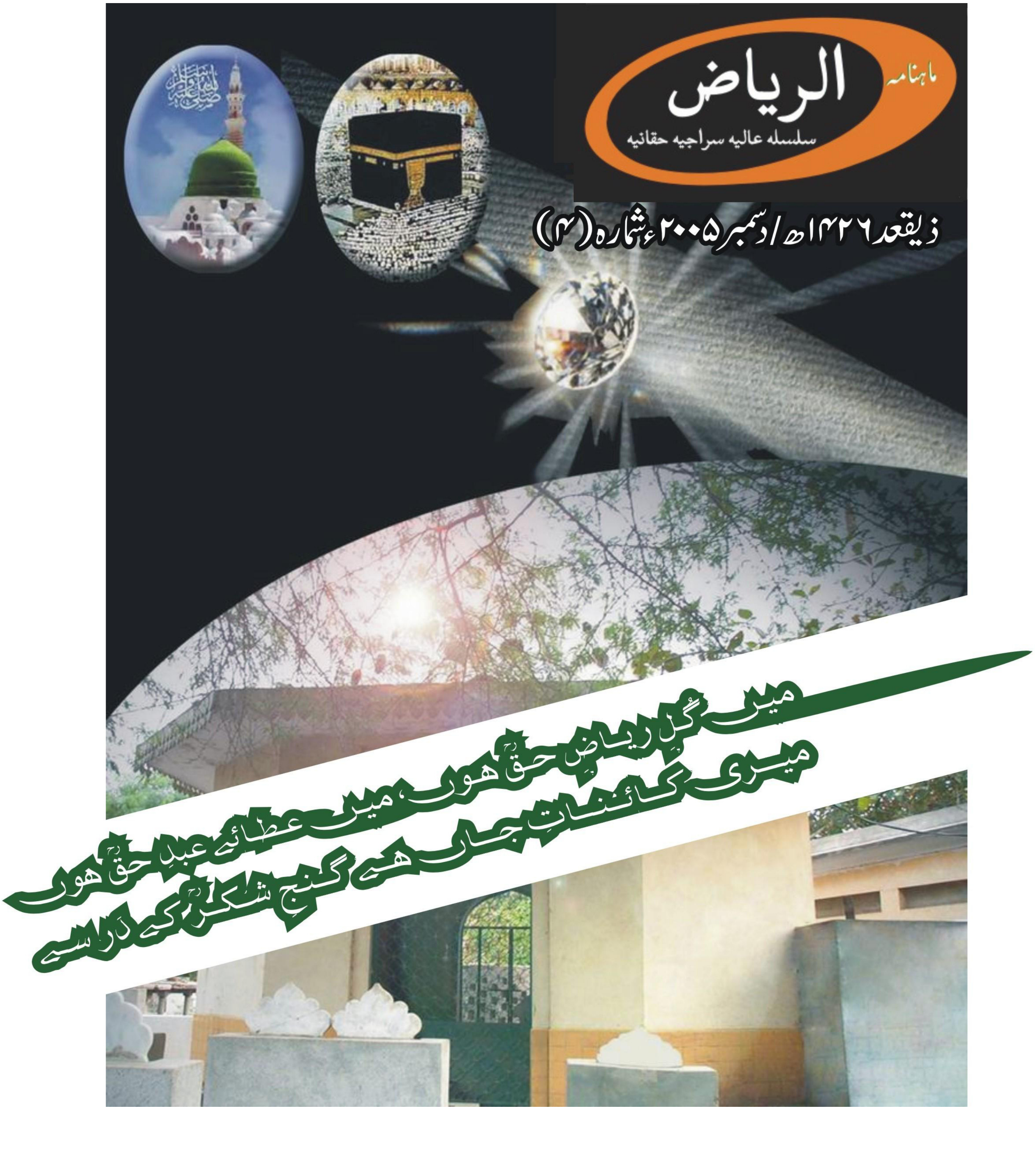
ماہنامہ
الریاض
سلسلہ عالیہ سراجیہ حقانیہ
ذیقعد ۱۴۲۶ھ / دسمبر ۲۰۰۵ء شمارہ (۴)
میں گلِ ریاضِ حق ہوں، میں عطائے عبدِ حق ہوں
میری کائنات جاں ہے گنجِ شکر کے در سے

ماہنامہ الریاض

ذیقعد ۱۴۲۶ھ / دسمبر ۲۰۰۵ء شمارہ (۴)

سلسلہ عالیہ سراجیہ حقانیہ

ویب سائٹ: www.haqqaniya.org

ای میل: info@haqqaniya.org

فہرست

		صفحہ نمبر
حمد باری تعالیٰ	کلام: امیر مینائی صاحب	۱
نعت	کلام: پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی دامت بکاتہم العالیہ	۲
منقبت	تحریر: صاحبزادہ محمد ظفر الحق چشتی دامت برکاتہم العالیہ	۳
سواد الاعظم	تحریر: طاہر عباس سراجی حقانی صاحب	۴
عقل، عشق اور محبت	-	۱۲
حضرت قطب شاہ قادریؒ	تحریر: پروفیسر باغ حسین کمال اویسیؒ	۱۷
کوچۂ جاناں	تحریر: علامہ ارشد القادریؒ	۲۰
حدیثِ دل	-	-

اراکین

محمد ندیم کھوکھر سراجی حقانی

علی سلطان قریشی سراجی حقانی

غلام مرتضیٰ سراجی حقانی

محمد عمران سراجی حقانی

محمد رضوان عالم قادری

گرافکس ڈیزائنر، کمپوزر

حمد باری تعالیٰ

دوسرا کون ہے جہاں تو ہے
کون جانے تجھے کہاں تو ہے

لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ
سو نشانوں میں بے نشاں تو ہے

تو ہے خلوت میں تو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے

نہیں تیرے سِوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے مہماں تو ہے

جسم کہتا ہے جان ہے تو ہی
جان کہتی ہے جانِ جاں تو ہے

نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما یہاں وہاں تو ہے

رنگ تیرا چمن میں بُو تیری
خوب دیکھا تو باغباں تو ہے

محرمِ راز تو بہت ہیں امیرؔ
جس کو کہتے ہیں راز داں تو ہے

کلام: امیر مینائی صاحب

نعت

تھی جس کے مقدر میں گدائی ترے در کی
قدرت نے اُسے راہ دکھائی ترے در کی

ہر وقت ہے اب جلوہ نمائی ترے در کی
تصویر ہی دل میں اُتر آئی ترے در کی

ہیں ارض و سماوات تِری ذات کا صدقہ
محتاج ہے یہ ساری خدائی ترے در کی

انوار ہی انوار کا عالم نظر آیا
چِلمن جو ذرا میں نے اُٹھائی ترے در کی

مشرب ہے مرا تیری طلب، تیرا تصور
مسلک ہے مرا، صرف گدائی ترے در کی

در سے ترے اللّٰہ کا در، ہم کو ملا ہے
اِس اوج کا باعث ہے رسائی ترے در کی

اِک نعمتِ عُظمٰی سے وہ محروم رہے گا
جس شخص نے خیرات نہ پائی ترے در کی

میں بُھول گیا نقش و نگارِ رُخِ دُنیا
صورت جو مرے سامنے آئی ترے در کی

تا زیست ترے در سے مرا سر نہ اُٹھے گا
مر جاؤں تو ممکن ہے جدائی ترے در کی

صد شکر کہ میں بھی ہوں بِھکاری ترے در کا
صد فخر کہ حاصل ہے گدائی ترے در کی

پھر اُس نے کوئی اور تصور نہیں باندھا
ہم نے جسے تصویر دکھائی ترے در کی

ہے میرے لیے تو یہی معراجِ عبادت
حاصل ہے مجھے ناصیہ سائی ترے در کی

آیا ہے نصیرؔ آج تمنّا یہی لے کر
پلکوں سے کیئے جائے صفائی ترے در کی

کلام: پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی دامت بکاتہم العالیہ

سنیے : http://www.haqqaniya.org/Audio/Mehfil/Aug1999/02.ram

منقبت چشتیہ سراجیہ حقانیہ

نہ ہُنر کی عظمتوں سے نہ متاعِ مال و زَر سے
مرے دل کی سلطنت ہے تری خاکِ رہگزر سے

مجھے کوئی غم نہیں ہے کفِ پا کے آبلوں کا
مرا سَر بھی آشنا ہے اجمیر کے سفر سے

یہاں جتنے اہلِ فن ہیں، اُسی دَر کے خوشہ چیں ہیں
کسے اختلاف ہو گا میرے نقطۂ نظر سے

لاہور کی فضا میں جاری ہے فیض تیرا
باہر نہیں ہے کوئی ترے حلقۂ اثر سے

ہے فنا بقا اِسی میں، ہے حضور و غیب اِس میں
مِلی منزلِ محبت صابرؒ کی اِک نظر سے

توحید کی شعاعیں گنجِ شکرؒ نے بخشیں
سورج بھی مانگتا ہے جلوے مری سحر سے

میں گُلِ ریاضِ حقؒ ہوں، میں عطائے عبدِ حقؒ ہوں
میری کائناتِ جاں ہے گنجِ شکرؒ کے دَر سے

جو نظر کے معجزے کا نہیں تجربہ کِسی کو
وہ نظر مِلا کے دیکھے کِسی صاحبِ نظر سے

کبھی نِکہتِ نظامیؒ، کبھی رنگِ جذبِ صابرؒ
یہ کرامتیں مِلی ہیں سلطانِؒ بحر و بَر سے

ساری شعاعیں اُس کی محبوبِ حق ہوئی ہیں
جو آفتاب اُبھرا تِرے جلوۂ سحر سے

ایمان کی تجلّی نِکلی تری جبیں سے
جود و سخا کے بادل ترے گیسوؤں سے برسے

غوری نہیں ہے لیکن طالب ہے اُس کرم کا
دُنیا اُلجھ رہی ہے خواجہؒ ترے ظفر سے

کلام: صاحبزادہ محمد ظفر الحق چشتی دامت برکاتہم العالیہ

سواد الاعظم

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور وہ سب آگ میں ڈالے جائیں گے سوائے ایک کے جو جنّت میں جائے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری اور میرے صحابہؓ کی اطاعت کرتے ہیں۔

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، الدارمیؒ)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے جن میں سے ستر آگ میں ہیں، نصرانی (عیسائی) بہتر فرقوں میں جن میں سے اکہتر آگ میں ہیں اور یہ اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی جو سارے آگ میں ڈالے جائیں گے سوائے ایک کے جو جنّت میں جائے گا۔ ہم نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی وضاحت فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوادالاعظم۔

(طبرانیؒ، ہیثمیؒ)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ پس اگر تم اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت یا بڑے گروہ کی پیروی کرو۔

(ابن ابی شعبہؒ، ابن ماجہؒ، امام احمدؒ، ابن مریر الطبریؒ، الطبرانیؒ، الطبرؒ، بیہقیؒ)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جو بھی دوزخ میں جانے سے بچنا چاہتا ہے بڑی جماعت کی پیروی کرے۔

(الحاکمؒ، الطبریؒ، الالکائیؒ)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو یقیناً اجماع کی پیروی کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے بڑے گروہ کو غلطی پر جمع نہیں کرے گا۔

(ابن ابی شعبہؒ، ابن ماجہؒ، امام احمدؒ، ابن مریر الطبریؒ، الطبرانیؒ، الطبرؒ، بیہقیؒ)

ان احادیث میں اُمت کی جس بڑی جماعت اور بڑے گروہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ اصل میں سوادالاعظم ہے۔ سوادالاعظم میں بزرگانِ دین اورعلماء نے عقائد کے دو مکاتبِ فکر اشعری اور ماتریدی، فقہ کے چار

مکاتبِ فکر مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی، اور تصوف کو شامل کیا ہے- باقی لوگوں کے بارے میں اکابرین کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آگ میں جائیں گے، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی سزا پائیں گے اور صاف ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے- یہاں تک کہ ابن تیمیہ صاحب نے جن کو محمد ابن عبدالوہاب صاحب (عقائد وہابیہ کے بانی) کے ماننے والے ایک بڑا عالم گردانتے ہیں، اس بات سے اتفاق کیا ہے اور اپنی کتاب الایمان میں کہا ہے کہ جو بھی ان بہتر فرقوں کو کفار میں شمار کرتا ہے وہ قرآن مجید، سنت، صحابہؓ کا اجماع، چاروں آئمہ کی اتفاق رائے اور باقی علماء کی مخالفت کرتا ہے- ان میں سے کسی نے بھی ان بہتر فرقوں کو کفّار میں شامل نہیں کیا-

یہاں دو نقطے بہت اہم ہیں- اکابرین اسلام جن میں سیدنا امام غزالیؒ اور مجدّد الف ثانی سیدنا احمد سرہندیؒ جیسے نام شامل ہیں، کا متفقّہ خیال ہے کہ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں کی ہیں: (۱) میری امّت میں تہتر فرقے ہوں گے، (۲) بہتر آگ میں ہوں گے- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقوں کو اپنی امت کہا ہے جسکا مطلب صاف اور واضح ہے کہ تمام فرقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہی ہیں- اسی طرح بہتر فرقے آگ میں ڈالنے کا ذکر ہے انکو کافر نہیں کہا گیا-

اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ باقی جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہئے؟ اس بات کا جواب جاننے کے لیے ہم امام مسلمؒ اور امام احمدؒ کی مروی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں-

> حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذؓ ابن جبل کو یمن کیطرف روانہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: نرمی سے پیش آنا اور سختی نہ کرنا، اچھی بات کی تلقین کرنا اور لوگوں کو دور مت کرنا- تم اہل کتاب میں سے ایک کے پاس جا رہے ہو جو تم سے جنت کا راستہ پوچھیں گے- ان سے کہنا کہ یہ اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ ایک ہے اور اسکا کوئی شریک نہیں-

اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیؓ کو اہل کتاب کے ساتھ نرمی اور محبت کے رویے کی تلقین کی ہے- اگر اہل کتاب کے ساتھ سلوک کا یہ حکم ہے تو سوچئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اور مسلمانوں کا بھائی ہے اس کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؟ جیسا کہ مسلم کی ایک اور حدیث میں آتا ہے

> حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے سے حسد مت کرو، ایک دوسرے سے مت الجھو، ایک دوسرے کے لئے نفرت مت رکھو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، اپنے بھائی کے معاملات میں مداخلت مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو جاؤ- مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے- وہ نہ تو اس پر ظلم کرے، نہ کبھی اسکو نیچا دکھائے اور نہ کبھی اسکی

تذلیل کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل کیطرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اخلاص یہاں ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے بھائی کی تذلیل کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ مسلمانوں کے درمیان انکی ہر چیز واجب التحریم ہے؛ انکا خون، انکا مال اور انکی آبرو۔

عقائد

الاشعری مکتب فکر کے بانی سیدنا امام ابو الحسنؒ الاشعری ہیں۔ آپؒ کا پورا نام ابو الحسنؒ علی بن اسماعیل ہے۔ آپؒ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا سن پیدائش ۲۶۰ھ بمطابق ۸۷۴ء ہے۔ آپؒ کا شجرہ نسب علی بن اسماعیل بن عبداللہ بن ابو بردہ سے ہوتے ہوئے ابی موسیٰؓ الاشعری سے جا ملتا ہے جو کہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سپہ سالار ھیں۔ آپؒ ایک بہت بڑے عالمِ دین اور علم الکلام کے بانی ہیں۔ آپؒ نے فقہ میں سیدنا امام احمدؒ بن حنبل کی فقہ اختیار کی۔ آپؒ کی تصنیف و تالیف کی گئی کتب کی تعداد تین سو سے زائد ہے مگر ہم تک ان میں سے صرف ایک ہی کتاب پہنچ سکی ہے۔ آپؒ کے پیروکاروں کی اکثریت شافعیؒ فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ آج ان عقائد کے پیروکاروں میں شافعی اور مالکی حضرات کی اکثریت اور کچھ حنفی حضرات شامل ہیں جو کہ زیادہ تر عراق، شام، مصر، شمال مغربی افریقہ، وسطی ایشیاء، اناطولیہ اور کچھ ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ آپؒ کے آئمہ اور مشاہیر میں سیدنا الباقلانیؒ، سیدنا امام غزالیؒ، سیدنا البغدادیؒ، سیدنا الجوینیؒ، سیدنا اسفرانیؒ، سیدنا ابن تومرتؒ، سیدنا الشحرستانیؒ، سیدنا فخرالدین رازیؒ، سیدنا الایجیؒ اور سیدنا الجرجانیؒ شامل ہیں۔ آپؒ کا وصال ۳۲۴ھ بمطابق ۹۳۶ء کو ہوا۔

الماتریدی مکتب فکر کے بانی سیدنا امام ابو منصورؒ ابن محمد ابن محمد الماتریدی ہیں۔ آپؒ کا نام امام ابو منصورؒ سمرقندی بھی لکھا جاتا ہے۔ آپؒ سمرقند کے ایک گاؤں ماترید میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا سن پیدائش معلوم نہیں ہو سکا۔ آپؒ نے فقہ کا علم سیدنا امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد سیدنا النصرؒ ابن یحیٰی البلخی سے حاصل کیا۔ آپؒ حنفی اصحاب فقہ میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؒ کے پیروکاروں میں حنفی حضرات کی اکثریت شامل ہے جو زیادہ تر ترکی، وسطی ایشیاء، چین، ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ آپؒ کے بارے میں شہزادۂ غوث الاعظم سیدنا سید عفیف الدین حسینؒ الجیلانی الحموی فرماتے ہیں کہ خواجہ ابو منصورؒ ماتریدی بڑے شب خیز اورعبادت گزار تھے، مرض اسہال میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔ جس رات انکی وفات ہوئی مرض اسہال میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ ستر مرتبہ قضائے حاجت کے لیے گئے اور ستر مرتبہ وضو تازہ کیا اور عبادت کرتے رہے۔ ایک شاگرد نے کہا کہ: کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے کہ آپؒ بار بار وضو کر رہے ہیں؟ کچھ دیر آرام فرمائیں اور وضو نہ کریں۔ آپؒ نے فرمایا کہ آج میں اللہ تعالیٰ کے پاس جا رہا ہوں تو بہتر یہی ہے کہ باوضو رہوں۔ پھر ایک سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ مرید نے خواب میں دیکھا کہ آپؒ کے استقبال کیلئے اللہ تعالیٰ نے ستر براق بھیجے ہیں اور یہ بھی کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب و خلفاء اور اولیاء کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ آپؒ نے سوال کیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کیسے ہوئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ابو منصورؒ

ماتریدی کی روح کے استقبال کیلئے آئے ہیں تاکہ نہایت عزت و اکرام کے ساتھ انکو جنت میں لے جائیں۔ آپؒ کا وصال ۳۳۳ھ بمطابق ۹۴۴ء کو سمرقند میں ہوا۔

اِن دو شخصیات کے علاوہ، عقائد میں ایک نام سیدنا امام ابو جعفرؒ احمد ابن محمد الازدی کا ہے جو کہ امام طحاوی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ نے مسلمانوں کے لیے عقائد کو ایک مکمل صورت میں مرتب کیا۔ آپؒ کا پورا نام ابو جعفرؒ الورق الطحاوی المصری ہے۔ آپؒ ۲۳۹ھ بمطابق ۸۴۴ء کو مِصر میں پیدا ہوئے۔ آپؒ حدیث اور فقہ کے بہت بڑے عالم ہیں۔ آپؒ نے اپنی تعلیم کا آغاز اپنے چچا سیدنا اسماعیلؒ ابن یحیی الموذانی سے کیا جو کہ سیدنا امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ آپؒ کے زیادہ تر اساتذہ شافعی ہونے کے باوجود اکثر حنفی علماء سے استفادہ کرتے تھے جسکی وجہ سے آپؒ کا رجحان حنفی فقہ کی طرف ہو گیا اور آپؒ نے اس میں بہت کام کیا۔ آپؒ مجتہد ہیں اورفقہ کے چاروں مکاتب فکر پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ آپؒ کے ترتیب شدہ عقائد اشعری اور ماتریدی کا مجموعہ ہیں اور عقائدِ طحاویہ کہلاتے ہیں۔ آپؒ کا انتقال ۳۲۱ھ بمطابق ۹۳۳ء میں ہوا۔ آپؒ کے بارے میں سیدنا البدر العینیؒ فرماتے ہیں کہ جب احمد بن حنبلؒ کا انتقال ہوا طحاویؒ ۱۲ سال کے تھے، جب بخاریؒ کا انتقال ہوا طحاویؒ ۲۷ سال کے تھے، جب مسلمؒ کا انتقال ہوا طحاویؒ ۳۲ سال کے تھے، جب ابن ماجہؒ کا انتقال ہوا طحاویؒ ۴۴ سال کے تھے، جب ابوداؤدؒ کا انتقال ہوا طحاویؒ ۴۶ سال کے تھے، جب ترمذیؒ کا انتقال ہوا طحاویؒ ۵۹ سال کے تھے اور جب نسائیؒ کا انتقال ہوا تو طحاویؒ ۷۴ سال کے تھے۔

فقہ

فقہ المالکیہ کے بانی سیدنا امام مالکؒ بن انس ہیں۔ آپؒ کا پورا نام ابو عبداللہ مالکؒ بن انس بن مالک بن ابی عامرؓ ہے جو کہ صحابیؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؒ مدینہ منوّرہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر کچھ مورّخ اسے ۹۳ھ لکھتے ہیں۔ آپؒ نے مدینہ کے معروف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی جن میں سیدنا نافعیؒ، سیدنا امام جعفر صادقؒ، سیدنا محمد بن یحییٰ انصاریؒ جیسے بزرگ شامل ہیں۔ آپؒ نے حدیث کی تعلیم قریباً ۹۰۰ اساتذہ سے حاصل کی۔ آپؒ کے پیروکار زیادہ تر شمالی افریقہ، اندلس، سوڈان، مغربی اور وسطی افریقہ میں موجود ہیں۔ اکثر تاریخ کی کتب آپؒ کی سیدنا امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات کا ذکر کرتی ہیں اورسیدنا امام ابوحنیفہؒ بھی آپؒ کی علمی عظمت سے متاثر ہیں۔ سیدنا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آپؒ کی کتاب مؤطا کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ آپؒ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ نے ایک فرض حج کے علاوہ کوئی حج نہیں کیا کہ کہیں مدینے سے باہر انتقال نہ ہو جائے۔ آپؒ کا انتقال ۱۷۹ھ میں ہوا اور آپؒ جنّت البقی میں دفن ہوئے۔

فقہ الحنفیہ کے بانی سیدنا امام ابوحنیفہؒ ہیں جو امام اعظم بھی کہلاتے ہیں۔ آپؒ کا پورا نام النعمان ابو حنیفہؒ بن ثابت بن ذوطی بن ماہ ہے۔ آپؒ کا سن پیدائش ۸۰ھ ہے اور آپؒ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ آپؒ کا بچپن بہت پر آشوب تھا، حجاج بن یوسف حکمران تھا اور مذہبی تصادم عروج پر تھا۔ آپؒ کوفہ میں ریشمی

کپڑا بناتے اور تجارت کرنے کے ساتھ حمادؒ کے درسوں میں بھی شریك ہوتے تھے۔ یہاں آپؒ نے علم الکلام اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپؒ نے حمادؒ کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی فقہ میں استفادہ حاصل کیا مگر حمادؒ سرفہرست ہیں۔ حدیث کے معاملے میں آپؒ نے کوفہ کے تمام محدثین سے علم حاصل کیا مگر تکمیل علم کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین شریفین کی زیارت کو ضروری سمجھا اور مکہ اور مدینہ کے علماء سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ آپؒ حج کے دنوں میں دوسرے ملکوں اور شہروں سے آنے والے علماء سے بھی استفادہ کرتے تھے اور آپؒ سیدنا امام باقرؒ کی صحبت سے بھی شرفیاب ہوئے۔ آپؒ کے شاگردوں میں (سوائے اندلس کے) تمام دنیا کے لوگ شامل ہیں۔ آپؒ کے پیروکاروں کی اکثریت ترکی، البانیہ، وسطی ایشیاء، افغانستان، پاکستان، چین، ہندوستان اور عراق کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ آپؒ کے دور میں حکمران نہایت سفاك اور ظالم تھے۔ مختلف خلفاء نے آپؒ کو مختلف عہدوں کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی، قید بھی کیا گیا اور ظلم بھی کیا گیا مگر آپؒ نہ مانے یہاں تك کہ خلیفہ المنصور نے قید خانے میں آپؒ کو زہر دلوا دیا اور جب آپؒ کو اسکا اثر محسوس ہوا تو آپؒ سجدے میں گئے اور اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ آپؒ کا وصال ۱۵۰ھ بمطابق ۷۶۷ء میں ہوا۔ آپؒ کی نماز جنازہ کیلئے لوگ مسلسل آتے گئے یہاں تك کہ ۲ بار نماز جنازہ ادا ہوئی۔ امام ابن مبارکؒ کے الفاظ ہیں کہ: آثار اور فقہ فی الحدیث کے لئے ایك مقیاس صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابو حنیفہؒ کے نام سے منسوب رہے گا۔ آپؒ نے بارہ لاکھ نوے ہزار سے زائد مسائل مدون کئے۔ فقہ کی تدوین کے لئے آپؒ نے اپنے شاگردوں میں سے ۴۰ نامور اشخاص کی مجلس بنائی۔ اس مجلس کے فتاویٰ تمام اسلامی ممالك میں پھیلتے رہے۔ چونکہ وہ اپنے افکاروخیالات کے متعلق اپنے شاگردوں سے بحث کرتے تھے اور انھیں لکھوا بھی دیا کرتے تھے اسلئے انکے شاگردوں کی کئی کتابیں فقہ حنفیہ کی اہم ماخذ ہیں۔

فقہ الشّافیہ کے بانی سیدنا محمدؒ ابن ادریس الشافعی ہیں۔ آپؒ کا پورا نام ابو عبداللہ محمدؒ بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافعی بن السائب بن عبید بن عبدیزید بن ہاشم بن عبدالمطلب ہے۔ آپؒ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے سات سال کی عمر میں قرآن پاك حفظ کیا اور پندرہ سال کی عمر میں فتوٰی دینے کی اجازت ملی۔ آپؒ کی زیادہ تر پرورش مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپؒ تیرہ برس کی عمر میں امام مالکؒ کے پاس چلے گئے اور انکی وفات تك وہیں رہے۔ اس کے بعد آپؒ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے اور مختلف علماء سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا جن میں سیدنا مسلمؒ بن خلیل الذنجی اور سیدنا امام مالکؒ بن انس شامل ہیں۔ آپؒ کے پیروکاروں کی اکثریت جنوبی عرب، بحرین، ملایا، مشرق افریقہ اور وسطی ایشیا کے زیادہ تر علاقوں میں موجود ہے۔ ۸۱۰ء میں آپؒ بغداد سے مصر روانہ ہو گئے اور ۲۵۴ھ میں یہیں آپؒ کا انتقال ہوا۔

فقہ الحنبلیہ کے بانی سیدنا امام احمدؒ بن محمد بن حنبل ہیں جو کہ ۲۴۱ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپؒ امام حنبلؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپؒ نے لغت، فقہ اور حدیث کی تعلیم بغداد سے ہی حاصل کی۔ آپؒ کے اساتذہ میں سیدنا امام شافعیؒ اور سیدنا بشرؒ بن المفضل جیسے بزرگ شامل ہیں۔ آپؒ نے پانچ بار حج کیا اور روزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاور بھی رہے۔ آپؒ نے عراق، حجاز، یمن اور شام کے سفر کئے اور زیادہ

قیام بصرہ میں کیا۔ آپؒ کے شاگردوں میں سیدنا ابوبکر الحرمؒ، سیدنا حنبلؒ بن اسحاق اور سیدنا عبدالقاسم البغویؒ جیسے نام شامل ہیں۔ آپؒ نے اپنے فتوٰی کو مدوّن نہیں ہونے دیا۔ اس مکتب فکر کے اصول و قوائد کے بارے میں غلط فہمی یہ ہے کہ یہ بہت تند مزاج ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے اور یہ تاثر آپؒ کی اصل تعلیمات کو مسخ کرنے کی کچھ لوگوں کی دانستہ کوشش کیوجہ سے پیدا ہوا ہے۔ خلق قرآن کو نہ ماننے کیوجہ سے آپؒ پر بہت زیادہ سختیاں کی گئی مگر آپؒ قائم رہے یہاں تک کہ آپؒ کو مختلف خلفاء نے قید میں بھی رکھا۔ آپؒ کا وصال ۲۴۱ھ کو بغداد میں ہوا۔

تصوف

تصوف تذکیہ کا راستہ ہے۔ اس میں ایسے اصول اپنائے جاتے ہیں جن سے انسان احسان کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سالک شریعت کی راہنمائی میں سنت پر سختی سے عمل کرتے ہوئے کسی ایک طریقے یا سلسلہ کی پیروی کرتا ہے۔ وہ شریعت مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عمل کرتا ہے جسکی عکاسی صحابہ اکرامؓ، تابعینؒ اور طبع تابعینؒ کی حیات کرتی ہیں۔

مختلف بزرگان دین نے لفظ صوفی کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں مگر اصل چیز تصوف اور صوفی کا مطلب ہے جسکو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ تصوف انسان کو اپنا محاسبہ کرنا، خود کو قرآن مجید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق پاک کرنا اور انسان کو بہترین خواص سے مرقع کرنا سکھاتا ہے جن میں توبہ، تقوٰی، استقامت، صدق، اخلاص، زہد، وراء، توکل، رضا، تسلیم، ادب، محبت، ذکر، مراقبہ اور بہت سے دوسرے شامل ہیں۔

کچھ لوگ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ تصوف اسلام کا حصہ نہیں ہے اور یہ یہودی، عیسائی اور ہندؤں نے متعارف کروایا ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ تصوف کی بنیاد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری ہی میں اصحاب صفہ کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اصحاب صفہ کی تعداد کم و بیش ۷۰ ہے جنہوں نے تمام دنیاوی رشتوں کو چھوڑ کر فقر الی اللہ کو اپنایا۔ یہی تصوف کا آغاز ہے جسکا مصدر خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ راہِ طریقت میں مطلوب علوم کو عوام، خواص اور اخص الخواص کی استعداد کیمطابق اسطرح تقسیم کرتے ہیں: شریعت کا ظاہری علم (اوامرونواہی اور دوسرے احکام)، شریعت کا باطنی علم (علم طریقت)، طریقت کا باطنی علم (علم معارفت) اور باطنی علوم کا باطن (علم حقیقت)۔ ان تمام علوم کا حصول اور ان پر عمل تصوف کا بنیادی اصول ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے تصوف ایک درخت کی سی صورت میں بڑھا ہے جسکی بنیاد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔ سلسلہ یا طریقہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جسکی جڑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور جسکا تنا صحابۂ کرامؓ (خصوصاً حضرت سیدنا امام علی المرتضٰیؓ) ہیں۔ طریقت کے اس درخت کی بڑی شاخیں وہ پیرؒ حضرات ہیں

جو کہ شروع میں آئے اور چھوٹی شاخیں محترم شیوخؒ ہیں۔ یاد رہے کہ صرف اولیاء اللہ کے ذریعے سے ہی ہم حضرت سیدنا امام علیؓ بن ابی طالب کے حضور رسائی حاصل کر سکتے ہیں جو علم کا راستہ ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے: میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اسکا دروازہ ہے۔

اگرچہ تمام صحابۂ کرامؓ روحانیات کے اونچے مقامات پر فائز ہیں مگر باقاعدہ سلاسل آٹھ صحابہؓ سے جاری ہوئے اور اللّٰہ تعالیٰ نے سیدنا امام علیؓ کے ذریعے سے طریقت کو دوام بخشا۔ تمام سلاسل کسی نہ کسی مقام پر آپؓ سے جاری سلاسل سے ملتے ہیں۔ یہ آٹھ صحابہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبد العزیز مکیؓ بن حارث، حضرت بلالؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت محمدؐ ہیں۔

حضرت سیدنا امام علیؓ کے بارہ خلفاء ہیں مگر چار خلفاء مشہور ہیں: سیدنا امام حسنؓ، سیدنا امام حسینؓ، سیدنا امام حسن بصریؒ اور سیدنا امام کمیلؒ۔ حضرت سیدنا امام حسنؓ اور سیدنا امام حسینؓ کا روحانی سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے اور بہت سے اولیاء اللّٰہ ائمہ اہل بیعت کی راہنمائی میں روحانیت کے اعلیٰ درجات پر فائض ہوئے ہیں۔ سلاسل طریقت بہت سے ہیں۔ حضرت امام حسن بصریؒ کے خلفاء سے یہ چودہ خانوادے نکلتے ہیں: سلسلہ عالیہ زیدیہ، سلسلہ عالیہ عیاضیہ، سلسلہ عالیہ ادھمیہ، سلسلہ عالیہ ھبیریہ، سلسلہ عالیہ چشتیہ، سلسلہ عالیہ عجمیہ، سلسلہ عالیہ طیفوریہ، سلسلہ عالیہ کرخیہ، سلسلہ عالیہ سقطیہ، سلسلہ عالیہ جنیدیہ، سلسلہ عالیہ گاذرونیہ، سلسلہ عالیہ طوسیہ، سلسلہ عالیہ سہروردیہ اور سلسلہ عالیہ فردوسیہ۔ ان خانوادوں سے چالیس سے بھی زائد سلاسل، اور ان سلاسل سے سینکڑوں سلاسل نکلتے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور سلاسل یہ ہیں: سلسلہ عالیہ قادریہ غوثیہ، سلسلہ عالیہ یسویہ، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ، سلسلہ عالیہ نوریہ، سلسلہ عالیہ خضرویہ، سلسلہ عالیہ شطاریہ عشقیہ، سلسلہ عالیہ حسنیہ بخاریہ (سلسلہ عالیہ سادات کرام بھی کہلاتا ہے)، سلسلہ عالیہ زاھدیہ، سلسلہ عالیہ انصاریہ، سلسلہ عالیہ صفویہ، سلسلہ عالیہ عبدروسیہ، سلسلہ عالیہ قلندریہ اور سلسلہ عالیہ مداریہ۔

کچھ لوگ حضرت سیدنا امام حسن بصریؒ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ تو کبھی حضرت سیدنا امام علیؓ سے ملے ہی نہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہے کیونکہ آپؒ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے اور آپؒ کا نام سیدنا عمر فاروقؓ نے خود رکھا۔ آپؒ کی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمٰیؓ کی کنیز ہیں۔ آپؒ کو ام المومنینؓ کا دودھ پینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ خلیفۂ سوم حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد آپؒ بصرہ تشریف لے گئے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بچہ مدینہ میں پیدا ہوا، ام المومنینؓ کے ہاتھوں میں پرورش پائی اور اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود آپؒ کی ملاقات حضرت سیدنا علی المرتضٰیؓ سے نہ ہوئی ہو۔ سیدنا فخر الدین نظامی چشتی دہلویؒ نے اپنی کتاب فخر الحسن میں امام حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کا مدلل جواب دیا ہے اور اس کتاب کا جواب لکھنے کی آج تک کسی کو جرأت نہی ہوئی۔

دکھ کی بات تو یہ ھے کہ ھم اپنی نا اھلی کی وجہ سے گستاخ ھوتے جا رھے ھیں۔ علماء کرامؒ اور بزرگانِ دین ایک دوسرے کا احترام کرتے آئے ھیں۔ سلسلہ عالیہ شاذلیہ کے بانی سیدنا ابوالحسنؒ مالکی ھیں، سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگ سیدنا قطب الدین بختیار کاکیؒ شافعی ھیں جبکہ آپؒ کے مرشد سیدنا معین الدین چشتیؒ حنفی ھیں، سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی سردار الاولیاء سیدنا عبد القادر جیلانیؒ حنبلی ھیں جبکہ آپ کے والد سیدنا ابو صالح حنفی ھیں اور آپ کے روحانی جدِ امجد سیدنا ابو بکر شبلیؒ شافعی ھیں۔

سیدنا معین الدین چشتیؒ اور سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کی ایک دوسرے سے محبت، مجدد الفِ ثانی سیدنا احمد سرھندیؒ کی سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے محبت، سیدنا قطب الدین بختیار کاکیؒ، سیدنا جلال الدین تبریزیؒ اور سیدنا بھاء الدین زکریا ملتانی سھروردیؒ کی ایک دوسرے سے محبت، چند ایسی مثالیں ھیں جو ھمیں صحیح راستہ دکھا سکتی ھیں۔ سواد الاعظم میں شامل تمام سلاسل اور تمام مکاتبِ فکر کا احترام کیے بغیر سفر ممکن نھیں۔

فخرِ سلسلہ عالیہ سراجیہ حقانیہ سیدنا محمد ریاض الحق قریشی سراجی حقانیؒ کا فرمان ھے کہ ایک ولی کامل اسی وقت ھو سکتا ھے جب اس کو تمام سلاسل سے فیض حاصل ھو۔

تحریر: طاہر عباس سراجی حقانی صاحب

حوالہ: بیانات محمد ندیم کھوکھر سراجی حقانی صاحب۔

حدیثِ دل

جب حقوق اور فرائض کی دُنیا میں قدم رکھو تو پہلے جو فرائض آپ نے پورے کرنے ہیں وہ دیکھنا پھر اُن حقوق کے بارے میں سوچنا جو آپ کو مِلے ہیں۔

حق، حق، حق۔ اللہ ہے پہلا حق، دوسرا حق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں اور تیسرا قرآن مجید ایک ہے۔

حضرت محمد ریاض الحق قریشی سراجی حقانی رحمت اللہ علیہ

عقل، عشق اور محبت

ایک بار حضرت نظام الدین اولیاء رحمت اللہ علیہ کے دربار میں عقل و عشق کے حوالے سے بات نِکلی۔ آپؒ نے فرمایا کہ اِن کے درمیان تضاد ہے۔ عُلماء اہلِ عقل ہیں اور درویش اہلِ عشق۔ عُلماء کی عقل عشق پر غالب ہے اور درویشوں کا عشق عقل پر غالب ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں دونوں کیفیات بیک وقت ہوتی ہیں۔ پھر غلبۂ عشق کی صفت میں یہ شعر ارشاد فرمایا۔

عقل را باعشق گوشے نیست زودش پنبہ کن
تاچہ خواہی کر دآں اشتر دل جولاہ را

ترجمہ: عقل کے یہاں عشق کی شنوائی نہیں۔ جلدی سے اِس کے
کان میں روئی ٹھونس دو۔ ذرا دیکھو کہ اُس اونٹ نے جولاہے کے دل کے ساتھ کیا
معاملہ کرنا چاہا تھا۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ عقل عشق کی نہیں سُنتی۔ اس کے کان بند کر دینا ہی بہتر ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عقل سے انکار ہی کر دیا جائے۔ ہمارے یہاں عقل کو بالعلوم شك و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اسے جذبۂ شوق کے منافی تصور کیا جاتا ہے۔ عقل اور عشق کے تقابل میں عقل کی حثیت ہمیشہ غلط مشورہ دینے والے مشیر کی ہوتی ہے۔ وہ مشیر جس کے مشوروں کی روشنی میں دنیاوی کامیابیاں حاصل ہو سکتی ہیں مگر دین میں رخنہ اندازی ہوتی ہے۔ اس قسم کے خیالات بڑی شد و مد سے عام کئے گئے اور عقل کو مصلحت کا مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا یہ واقعہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ علمائے کرامؒ اور اولیائے عظامؒ چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے علوم کے وارث ہیں، اس لیے ان میں عقل اور عشق دونوں پائے جاتے ہیں۔ ہاں فرق غلبے کا ہے۔

عقل مشاہدے، تجربے اور فکر سے جِلا پاتی ہے۔ دیکھنے والی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اس سے فائدہ اُٹھاتی ہے اور اس کے حوالے سے غور کر کے تازہ خیالی، تازہ کاری اور جہانِ نو کی تعمیر کے ایک عمل کو وجود بخشتی ہے جو متواتر اور مسلسل جاری ہے۔ "سیر و فی الارض" کی تاکید یونہی تو نہیں کی گئی ہے، مشاہدے، تجربے اور فکر کے لئے کی گئی ہے۔ پھر "لعلکم تدبرون، لعلکم تفکرون اور لعلکم تعقلون" کا حکم بھی ہے۔ عقل انسانی شخصیت کی تکمیل کرتی ہے خیالات انسانی کی تہذیب اسی سے ہوتی ہے۔ یہ طے کر لینا کہ روحانی زندگی میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں، درست نہیں۔ عقل کو قلب کا وہ نور قرار دیا گیا ہے جو حق و باطل میں تمیز کا سبب بنتا ہے۔ یہ مادے سے مجرد جوہر ہے جس کو انسانی بدن کے ساتھ تدبیر و تصرف کا تعلق ہے۔ قلب کے اسی نور کی جھلک شیخ کبیر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کو سلطان

المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی سیرت میں نظر آتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت والا کو علم، عقل اور عشق سے متصف قرار دے کر اپنی خلافت کا مستحق ٹھہرایا تھا۔ حضرت والاؒ کے حسب ارشاد عقل ایک فطری نور ہے جو سماع اور کسب سے بڑھتا ہے۔

با عاشقان نشین و غم عاشقی گزیں
باہر کہ نیست عاشق کم شوباد قریں

ترجمہ: عاشقوں کے ساتھ بیٹھو اور غم عاشقی گوارا کرو، جو عاشق نہیں ہے اس
سے ملنا جلنا کم ہونا چاہئے

امیر حسنؒ نے ایک رسالہ مخ المعانی کے نام سے لکھا ہے۔ کہنے کو ۳۶ صفحے کا ایک رسالہ ہے مگر در حقیقت عین و شین و قاف کی تفسیر ہے، علیحدہ علیحدہ بھی اور ایک جا بھی۔ آپ نے لفظِ عشق کے حروف ثلاثہ ع، ش اور ق کی معنویت کو اُجاگر کیا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو مرید کا یہ رسالہ بہت پسند آیا۔ آپؒ کو یقین ہو گیا کہ امیر حسنؒ دنیائے عشق میں محو ہوتے جاتے ہیں۔ اسی وقت مرید کو تجدیدِ بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت اقدسؒ نے سر مبارک سے کلاہ اتاری اور امیر کے سر پر رکھ دی۔ امیر بے اختیار کہہ اٹھے۔

چہ سعا دست است یا رب کہ بخد متت رسیدم
دل نامراد خود را بمراد خویش دیدم

ترجمہ: یا اللّٰہ! یہ کیا سعادت ہے کہ میں خدمتِ محبوب میں پہنچ گیا اور دلِ نامراد
کی مراد پوری ہوتے دیکھ لی

عین کی معنویت میں بڑا تنوع اور وسعت ہے۔ سب سے پہلے تو یہ آنکھ ہے جو اصحابِ خرد اور خداوندانِ دانش کی رائے میں تخمِ عشق ہے۔ آدم صفی اللّٰہ علیہ السلام نے آغاز صبح اربعین میں جب آنکھ کھولی تو جمالِ عشق پر نظر پڑی۔ یہ عشق کی ہی جنبش تھی کہ جو بہشت کے قصر و ایوان کو ٹھکرا کر اس خرابہ دنیا میں لے آئی کہ اشجارِ بہشت کے سائے تلے سبق عشق کی تکرار نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لئے دنیا جیسے مصیبت کے خارستان اور بوستانِ بلا کی ضرورت تھی۔ آنکھ اور عشق کے درمیان یہ بھی مناسبت ہے کہ جس طرح آنکھ میں تین چیزیں سیاہی، سفیدی اور نور ہوتا ہے اس طرح عشق میں بھی تین صفات فقر، حزن اور حضور پایا جاتا ہے۔

عین کے ایک معنی چشمے کے ہیں جو بلا کے کوہسار سے نکلتا ہے اور غمگین دلوں کے کشت زار پر بہتا ہے۔ عین کے ایک معنی آفتاب کے ہیں۔ عشق ایسا آفتاب ہے جس کو زوال نہیں۔ اس آفتاب کی روشنی جس کے روزن دل میں داخل ہوئی اس کے ہستی سے زرہ باقی نہ رہا۔ یہ آفتاب فلک درد پر طلوع ہوتاہے اور دردمندوں کے دلوں میں غروب، ہر شخص اس کی تاب نہیں لا سکتا۔ اس سے ہم صحبت ہونے کے لئے عیسی صفت ہونا ضروری ہے۔ آفتاب جس طرح تمام کواکب اور سیاروں میں منفرد حثیت رکھتا ہے اسی طرح عشق میں بھی انفرادی شان پائی جاتی ہے۔ عشق کے بہت سے اوصاف آفتاب میں پائے جاتے ہیں اور آفتاب کی بہت سی صفات عشق میں ملتی ہیں۔ آفتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ پتھر کو لعل بناتا ہے۔ آفتابِ عشق بھی جب مشرقِ محبت سے طلوع ہوتا ہے تو چراغِ دیدۂ عُشاق کو لعل بنا دیتا ہے۔

عشق کے ایک معنی زر کے ہیں۔ عشق وہ زر ہے جو کن فیکون کی کان سے نکلا ہے اس زر کا سکہ ان بادشاہوں کے نام پر چلتا ہے جو مملکت کو ترک کر دیتے ہیں اور عزت سے دست کش ہو جاتے ہیں۔

شین کی تشریح میں یہ نکتہ ملتا ہے کہ ”جس شخص کو غدر سے منسوب کرتے ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص پیٹ میں دندان رکھتا ہے۔ شین کے بھی دندانے ہوتے ہیں اور عشق بھی ایک ایسا غدار ہے جو کسی دل کو نہیں بخشتا۔ کسی جان پر بھی رحم نہیں کرتا اور جس دل میں اپنے دانت گاڑ دیتا ہے اس دل مسکیں کو جان دینے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ عشق کے شین میں بہت سے اسرار مضمر ہیں۔“

قاف یہ ایسا حرف ہے جس کے رموز سے ملایکہ بھی واقف نہیں کیونکہ ایک دن حضور رسالتِ پناہ علیہ الصلوۃ و السلام کی خدمت میں فرشتے نے یہ پیغام پہنچایا: کہو ”ق۔ والقران مجید“۔ سبحان اللّٰہ! یہ محب و محبوب کے درمیان ایسا اشارہ ہے جس سے فلک و ملک بھی آگاہ نہیں۔ ایک دوست کی دوسرے دوست سے رمز و کنایہ میں بہت سے باتیں ہوتی ہیں جن سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔

عشق وہ کامیاب و کامگار بادشاہ ہے جس کے لشکر میں تین قسم کی فوجیں ہیں۔ وہ ہیں عین و شین و قاف۔ عین وہ ترک عیار ہے جس قلب پر بھی حملہ کرتا ہے اس کے قالب تک کا نشان نہیں چھوڑتا۔ شین امیر میانہ ہے۔ شہ زور اور طاقت ور اس کی شوکت و شہامت بڑے بڑے خوں خوار شیروں کو لومڑی بنا دیتی ہے۔ قاف اسی لشکر کا ساقہ ہے جی کی قہر مانی دلوں کے قلعوں کو توڑ دیتی ہے تا کہ کوئی لشکر اس بلاد سے سلامت نہ گزرے۔

نیلوفر اور حربا اگرچہ آفتاب میں سرشار ہیں مگر ان کا وجود آفتاب کی غیبت میں بھی برقرار رہتا ہے لیکن ذرے کی بقا اس کے محبوب کی بقا سے ہے صبح جب آفتاب مطلعٔ حسن سے طلوع ہوتا ہے تو ذرہ مسکین عاشق وار معشوق کی تمنا میں رقص کناں پیدا ہوتا ہے اور شام کو جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو ذرے کا نام و نشان بھی مٹ جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عاشقِ صادق کی بقا محبوب کی بقا پر منحصر ہے۔ ایک بار سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ پیر کی ایک تکلیف کی وجہ سے پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ آپؒ نے حاضرینِ مجلس سے معزرت کی اور فرمایا کہ آپ لوگ کچھ خیال نہ فرمائیے گا، میں پیر کی تکلیف کی وجہ سے پلنگ پر بیٹھا ہوں۔ سب حاضرین نے دعا کی اور کہا: آپ سلامت رہیں۔ ہماری زندگی بھی آپ کی

زندگی سے متعلق ہے۔ امیر حسن سجزیؒ نے اس موقعے پر مناسب حال یہ شعر پڑھا۔

جان جہانیاں توئی دشمن جاں بود کسے
اے ہمہ دشمنان تو دشمن جان خویش

ترجمہ: تم جان جہاں بھی ہو اور دشمن جان بھی ہو، تمہارے سارے دشمن
اپنی جان کے دشمن ہیں

اسے واقعے سے پہلے حضرت والاؒ کے تربیت کردہ نوجوان خواجہ نوحؒ نے بھی آپ کی موجودگی میں یہی بات کہی تھی۔ حضرت والاؒ نے خواجہ نوحؒ سے دریافت فرمایا کہ میاں تم جو اس قدر طاعت و عبادت کرتے ہو اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ خواجہ نوحؒ نے کہا کہ میرا مقصد آپ کی زندگی ہے۔ حضرت والاؒ نے خواجہ نوحؒ کے اس جواب کی تحسین فرمائی اور ارشاد ہوا کہ یہ بات ان کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔

محبت کا کمال یہ ہے کہ دوست سے سوائے دوست کے اور کچھ نہ چاہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو محبت کے معاملے کا انصاف کے پلے میں کوئی وزن نہیں ہوتا۔ عشق عشق میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ماہی اور پروانے کا عشق دیکھ لیجئے، دونوں عاشق ہیں، ماہی پانی پر اور پروانہ شعلے پر۔ لیکن دونوں کے عشق میں فرق ہے۔ ماہی صحیح معنوں میں اپنی جان پر عاشق ہے کیونکہ پانی اس کی غذا ہے۔ جب وہ پانی سے جدا ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے لیکن پروانہ عاشقِ جاناں ہے جانتا ہے کہ قربِ محبوب اور وصلِ محبوب سے سوخت ہو جائے گا لیکن پھر بھی اپنا سر شمع سے ٹکراتا ہے اور اپنی جان دلدار پر فدا کر دیتا ہے۔ عاشق کی آنکھیں معشوق کے دیدار سے روشن اور محب کا سینہ ذکرِ محبوب کی خوشبو سے گلشن ہو جاتا ہے۔ عاشق کو ہر شے میں معشوق ہی نظر آتا ہے۔ وصال و فراق اس کے لئے یکساں ہوتے ہیں۔ اگر ظاہری طور پر محبوب سے جدائی بھی ہو جائے تب بھی باطنی طور پر وہ اسی طرح عشق میں ثابت قدم رہتا ہے۔

عقل کا یہ طریقہ ہے کہ جو خطا بھی وہ لکھتی ہے اس پر خط بطلان کھینچ دیتی ہے اس کے برخلاف کشور عشق میں معشوق کی کل حرکات و سکنات، خطاہوں یا صواب، عاشق کی نظر میں مستحسن نظر آتی ہیں۔ لہٰذہ جو بھی جور اور جفا محبوب کی طرف صادر ہو اسے تحفۂ دولت اور ہدیۂ کرامت تصور کرنا چاہئے۔

ہرپاک رو کو کہ جادۂ محبت پر قدم رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سجادہ محبت پر نمازِ اتحاد
تمام کرے پہلے چشمہ عشق میں غسل اور جوئے خوں سے وضو کرنا چاہئے

جس قصے میں داستانِ عشق نہ ہو اسے ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ جس نامے پر عشق کا عنوان نہ ہو اسے بارش کے پانی سے دھو دینا چاہیئے۔ مملکتِ دل بادشاہِ عشق کے بغیر مہمل و معطل ہوتی ہے

معشوق سے جو بھی حاصل ہو، کیا گرم کا سرد، کیا دوا کیا درد، یك رنگ رہنا چاہئے۔ تحمل میں کوہ کی سی سختی چاہئے۔ عاشقِ صادق وہ ہے کہ جو زر کی طرح ہر آنچ اور ہر مشکل سے سرخ رو نکلے۔ آتش بلا اور زد ابتلا جتنی زیادہ ہو گی اس راہ میں اتنی ہی مستعدی اور ہوشیاری حاصل ہو گی۔ جو کوئی عاشقی میں چاندی کی طرح سو ختہ نہیں ہوا اس کا کام زر کی طرح پختہ کیسے ہو سکتا ہے۔

زخم وہ زخم ہے جو تیغِ معشق سے پہنچے۔ درد وہ درد ہے جو دلِ عاشق میں کنویں کی تنگی، وطن کی دوری کے رنج، راستے کی تکلیف، قید خانے کی ذلت، بھائیوں کے ظلم اور چاند چہرے والیوں کی الزام طرازی نے یوسف کے ساتھ وہ کچھ نہ کیا ہو گا جو عشقِ یوسف نے دلِ صد پارہ زلیخا و جان آوارہ یعقوب کے ساتھ کیا۔ اے یوسف! درج دل یعقوب تیرا غارت کیا ہوا ہے۔ سینہ زلیخا کا خزانہ تیرا لٹایا ہوا ہے اور چوری کا الزام تجھ مجھ پر۔ کیا عجب بات اور کیا تماشا ہے۔ شرع کے اماموں نے چور کے لئے قطع ید کا حکم دیا ہے مگر شریعتِ عشق کے احکام علیحدہ ہیں۔ کوئی کسی کا دل چراتا ہے اور چوری کا الزام کسی دوسرے پر عائد ہوتا ہے۔ قطع ید کسی اور کا ہوتا ہے۔

من دوست ترا دارم اے دوست تراز جانم
شمع سب تاریکم گنج دل ویرانم

ترجمہ: اے جان سے زیادہ دوست! میں تجھے دوست رکھتا ہوں۔ میں جو شبِ تاریك کی شمع اوردلِ ویراں کا خزانہ ہوں۔

حوالہ: دبستانِ نظام از ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب۔

حضرت عون قطب شاہ قادری بغدادیؒ

شیخ الوقت، پیرانِ پیر حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کے مرید و خلیفہ، مردِ کامل اور مردِ مجاہد حضرت محمد عون قطب شاہؒ اپنے دور میں قطب ارشاد کے روحانی منصب پر فائز تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے نو حرم شریف تھے جن سے اٹھارہ فرزند تولد ہوئے اور ان میں س بھی پانچ بیٹوں حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت امام محمد بن حنفیہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عباسؓ سے اولاد جاری ہوئی۔ ان میں سے حضرت امام محمد بن حنفیہؓ کی بارہویں پشت سے حضرت محمد عون قطب شاہؒ ہوئے۔ یہ بزرگ بغداد شریف میں سکونت پزیر تھے اور حضرت شیخ عبد القادرؒ کے ہم عصر، ہم عمر، مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کو خلافت سے سرفراز کر کے شمالی ہند میں تبلیغِ اسلام کے خصوصی مشن پر مامور کیا گیا۔ آپ نے جس عزم و ہمت اور جاں سپاری سے فیض سلسلہ قادریہ کو پھیلایا اس کی مثال نہیں ملتی آپ کا سن پیدائش ۴۱۹ھ ہجری اور سن وصال ۵۵۷ھ ہجری ہے۔ برّصغیر میں تبلیغِ اسلام کرنے والے بزرگوں میں آپ کو یہ امتیاز و افتخار حاصل ہے کہ آپ صاحبِ سیف بھی تھے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے مسند ارشاد پر بیٹھتے ہی اپنے جن پہلے چند خلفاء کو تبلیغ اسلام کے لئے تیار کیا ان میں آپ کو خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے زبانی وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ کفّار سے جہاد بالسیف سے بھی کام لیا اور کوہستانِ نمک کے علاقہ کالا باغ سے وادی سون سکیسر اور ونہار تک کا وسیع علاقہ جس میں تلہ (طلحہ) گنگ اور چکوال کا علاقہ شامل ہے جہاد کر کے ہندو راجاؤں سے آزاد کرایا اور قبیلے کو مستقلاً یہاں آباد کر کے پائیدار بنیاد پر تبلیغِ اسلام کے مشن کو جاری کیا۔ آپ نے اس علاقے میں حفظ قرآن کا خصوصی اہتمام کیا اور جگہ جگہ درسِ قرآن قائم کئے۔ اس نسبت سے یہ علاقہ آج بھی اعوان قاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ علاقہ تلہ (طلحہ) گنگ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے اکبری عہد تک اِسے ”اعوان محل“ کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا۔ لاکھوں انسانوں نے آپ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ آپ کو حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور حضرت معین الدین چشتیؒ پر زمانی اعتبار سے سبقت حاصل ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور آپ آپس میں ہم زلف تھے۔ آپ کی اس بیوی سے آپ کے تین صاحبزادے حضرت عبد اللہ عرف گولڑہ اور حضرت محمد عرف کندلان اور معزز الدین بھی آپ کے ساتھ شریک جہاد رہے۔ یہاں پر ایک ہندو راجا نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ایک بیٹی آپ کے عقد میں دی جس سے محمود، مزمل علی، امیر، جہاں شاہ، بختیار اور زمان علی چھ بیٹے تھے۔ ان تمام بیٹوں کی اولاد سے قبیلہ اعوان قطب شاہی وجود میں آیا اور اس علاقہ سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا۔ آپ نے تقریباً چالیس سال تک اس علاقہ میں رشد و ہدایت کی مشعل روشن رکھی۔ آپ نے متعدد بار اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دی اور برکات، فیض اور ہدایات حاصل کیں مگر آخری عمر میں اپنا مشن اپنے بیٹوں کو سونپ کر مستقلاً بغداد شریف میں مقیم ہو گئے جہاں چند سال بعد وصال فرمایا۔ دونوں خاندانوں میں تعلقات

کو فروغ مزید اس صورت میں ملا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے صاحبزادے حضرت عبد الرزاقؒ نے اپنی ایک بیٹی کا عقد حضرت محمد عون قطب شاہؒ کے بیٹے حضرت محمد کند لان کے بیٹے محمد عرف کھوٹ سے کیا۔ انہی سے اعوان قبیلہ کی مشہور شاخ کھوٹ قریش نکلی۔ آپ نے تلہ (طلہ) گنگ سے ایک میل مشرق میں ایک ٹیلے پر اپنا گھر بنایا جو آج بھی ''نکہ کھوٹ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حضرت محمد عون قطب شاہؒ کا یہ شمشیر زن قبیلہ خاندان غزنویہ، خاندان غلاماں اور خاندان تغلق تک حق و باطل کے معرکوں میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دیتا رہا ہے۔ چنانچہ راجہ پرتھوی راج کا درباری شاعر چندر بردا اپنے راجہ کی شکست کا حال اپنے اشعار میں یوں بیان کرتا ہے:

''راجہ پر غنیم شہاب الدین چڑھ آیا اور مجاہد نامی معزز الدین، محمود، گولڑہ، کندلان اور بختیار وغیرہ آگئے اور تھانسیر میں تلونڈی پر لڑائی بھاری ہوئی اور راج مسلمانوں کا ہو گیا اور پھر مسلمانوں نے مسلمانانِ لاہور سے راج لے لیا اور آدھے مجاہد مزکور اسی سال الٹے پھر گئے اور آدھے یہاں قلعہ زن ہو گئے اور اسی اثناء میں کئی فقراء اسلام بھی آگئے اور دین قدیم سے اکثر لوگ پھر گئے۔''

تاریخ مخزن ہند، مصنفہ ''منشی ہنومان پرشاد'' میں صفحہ ۱۲۳ پر درج ہے:

''گویند کہ میر قطب نام شخصے از بگداد بہند آمد۔ سہ زنان ہند در عقد آور دہ بودند ایشاں نسل بسیار شد۔''

حضرت علیؓ کی اولاد عموماً سادات علوی کے نام سے معروف رہی ہے۔ بعد میں سادات کا لقب صرف حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کی اولاد کے لئے مخصوص ہوا اور دوسری اولاد اپنے آپ کو سید کے علاوہ شیخ، میر، ہاشمی، قریشی، اعوان، ملک ار کھوٹ کے القاب سے مشہور کرتی رہی ہے۔ قبیلہ اعوان کی ذیلی شاخ کھوٹ قریش کے ایک بزرگ نواب علی ۱۳۵۹ء ہجری میں فیروز تغلق کے عہد میں دہلی گئے۔ راستہ میں ایک کافر راجہ سائیس پالی والی سیالکوٹ کو شکست دی۔ بادشاہ نے علاقہ دھنی کی حکومت انہیں سونپی۔ آپ نے چکوال شہر سے تقریباً آٹھ میل جنوب کی طرف موجود موضع ''وریا مال'' کے نزدیک رہائش اختیار کی اور مالیہ اکٹھا کر کے شاہانِ دہلی کو بھیجتے رہے۔ آپ کی شان میں شجرہ خوانوں کا یہ کبت مشہور ہے۔

کھوٹ چڑھیا دہلیوں ست سار نقارے
چار ہزار بھرا تے کمیں سارے

نیز اس علاقہ میں کھوٹ قبیلہ کی اولیت پر شجرہ خوانوں کا یہ کبت دال ہے۔

کھوٹ پوترے ابو طالب دے اوّل اوّل آئے

حضرت محمد عون قطب شاہؒ نے تصوّف و طریقت کا جو چراغ یہاں روشن کیا تھا ان کی اولاد نے اسے زمانے کے طوفانوں میں بجھنے نہ دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت سلطان باہوؒ، حضرت حافظ رحمت اللّٰہؒ، حضرت سلطان ابراہیمؒ ساڑی والا، حافظ محمد عظیم اویسیؒ، حافظ محمد جمال ملتانیؒ، حضرت شمس الدین سیالویؒ، خواجہ محمد عبدالرحمٰنؒ ہری پور، حضرت حافظ فتح نورؒ، حضرت حاجی احمد ہیلانیؒ اور شیخ العالم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور حضرت محمد عون قطب شاہؒ کی رشتہ داری کی ظاہری طور پر مزید تائید پروفیسر انور بیگ اعوان کی کتاب ”دھنی ادب و ثقافت“ میں قبیلہ اعوان کی تحقیق کرتے ہوئے بیان سے ہوتی ہے: ”لیکن پہلی بیوی جو کہ حضرت غوث الاعظمؒ کی بیوی کی ہمشیرہ تھی، کے بطن سے آپ کے دو بیٹے عبداللّٰہ گولڑہ (سنہ ۶۰۰ تا سنہ ۶۷۱ ہجری) اور محمد کند لان (سنہ ۶۱۶ تا سنہ ۶۷۵ ہجری) تھے“۔

تحریر: پروفیسر باغ حسین کمال اویسیؒ

حدیثِ دل

تصوّف لذّاتِ نفسانی کا ترک کرنا ہے۔ تصوّف نہ کسی اسم کا نام ہے نہ علوم کا بلکہ یہ اخلاق ہے۔ تصوّف نام ہے آزادی، فتوحات، ترک تکلّف اور سخاوت اور دولت خرچ کرنے کا۔

صوفیاء وہ لوگ ہیں جن کی ارواح کی صفات صفِ اوّل میں پہنچ کر حق تعالیٰ کے قرب میں پہنچ گئی ہیں۔ صوفی وہ ہے جو کسی چیز کا مالک ہو نہ مملوک۔

حضرت ابو الحسن نوری رحمت اللہ علیہ

کوچۂ جاناں

عبداللہ عراق کا مشہور ڈاکو، ہلاکت خیز، غارت گر اور سِتم پیشہ قاتل، آج ایک خوف ناک مہم سے پلٹ کر اپنے گھر آیا تھا۔ کافی سے زیادہ رات گزر چُکی تھی۔ ساتھیوں نے رخصت ہوتے وقت دریافت کیا سردار! دوسری مہم کی تیاری کب تک ہو گی؟

آج جانے کیا بات تھی کہ اس سوال پر عبداللہ کے چہرے سے خوشی کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ اس نے نہایت بے دلی سے جواب دیا ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تیاریوں کی اطلاع تمہیں وقت سے پہلے دے دی جائیگی۔ ساتھیوں کو رخصت کر کے جب وہ اپنے بستر پر لیٹا تو ایک نامعلوم کسک سے اُسکا دل بوجھل تھا ہزار کوشش کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ چند ہی لمحوں کے بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسکے دل کے دروازے پر دستک دے رہا ہو۔ وہ حیرانی کے عالم میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ غفلتوں کی نیند بہت گہری تھی اسی لئے منہ پھیر کر لیٹ گیا۔ لیکن اس مرتبہ دل کا بند دروازہ نیم باز ہو چکا تھا اور ہاتفِ غیب کی سرگوشیوں کے لئے گنجائش نکل آئی تھی۔

اچانک دل کے روزن سے کوئی بہت دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا: ظالم! ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھا! تیرے نامہ زندگی کا ایک ایک ورق سیاہ ہو چکا ہے۔ مظلوموں کی آہ، بے گناہوں کے خون اور معاصی کے بوجھ سے تیری مغرور گردن اب ٹوٹنا ہی چاہتی ہے۔ مرنے کے بعد جب تو ایک باغی مجرم کی طرح خُدائے قہار کے سامنے کھڑا کیا جائیگا تو دہشت و جلال سے تیرا کلیجہ پھٹ جائیگا۔ انجام کی رسوائی اور جہنم کے ہولناک عذاب سے بچنا چاہتا ہے تو اب بھی وقت ہے، اُٹھ! اور اپنے خاکی جسم سے شیطان کا یہ پیراہن اُتار کر پھینک دے۔ مغفرت اور کرم کا دروازہ ابھی کُھلا ہوا ہے۔ جیسے بھی مُمکن ہو اپنے رُوٹھے ہوئے مولا کو راضی کرلے۔

ہاتفِ غیب کی یہ خاموش صدا نہایت تیز نشتر کی طرح عبداللہ کے جِگر کے پار ہو گئی اور اُسے تڑپتے ہوئے بِسمل کی طرح گھائل کر گئی۔ اب دل کی اندرونی حِس بیدار ہو چکی تھی اور عمر بھر کی کثافتوں کا غبار آنکھوں کی راہ سے سیلاب کی طرح بہ رہا تھا۔ اِسی عالمِ اضطراب میں عبداللہ اپنے بستر سے اُٹھا اور رات کی تاریکی میں اپنے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ساتھی جعفر کے گھر گیا۔ عبداللہ کی بے وقت آمد سے جعفر گھبرا اُٹھا۔ اس نے جلدی سے پوچھا کہ کسی فوری مہم کی تیاری ہے؟...... عبداللہ نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا: ”ہاں! آج زندگی کی سب سے بڑی مہم ہے میرے دوست“ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے سردار! ہچکیاں بھرتے ہوئے عبداللہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ”جعفر! اِس وقت میں ہولناک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہوا ہوں۔ اپنی سیاہ کار زندگی اور اس کے بھیانک انجام کے تصور سے میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ خدارا بتاؤ کہ ایک باغی مُجرم کی طرح عمر کا جو حصہ میں نے گزارا ہے، کیا اب کسی طرح اس کی تلافی ہو سکتی ھے؟ کیا اُس رحمتِ خاص کا کہیں سراغ لگ سکتا ہے جس کے تئیں

نامہ عمل کی سیاہی دھونے کے لئے دیدۂ شرمسار کا فقط ایک قطرہ کافی ہے۔ جعفر! میں اندھیرے میں بھٹک رہا ہوں مجھے چراغ دکھاؤ۔ میں اپنے رب کی طرف پلٹنا چاہتا ہوں میری رہنمائی کرو۔ میں گھائل ہو گیا ہوں میرے زخموں کی ٹیس کے لیے کوئی مرہم بتاؤ۔

اتنا کہتے کہتے عبداللہ کی آواز حلق میں پھنس گئی اور وہ چپ ہو گیا ایک غمگسار چارہ گر کی زبان میں جعفر نے جواب دیا: دل کا یہ رِقت انگیز انقلاب اور سوز و کرب کی یہ نئی منزل تمہیں مبارک ہو سردار! افسوس کہ تمہاری طرح میں بھی اس کُوچے سے نا آشنا ہوں۔ البتہ اتنی بات ضرور جانتا ہوں کہ خدا کی تلاش میں نکلنے والے سب سے پہلے کِسی مُرشدِ کامل کی تلاش میں نِکلتے ہیں! اُسے پا لینے کے بعد خُدایابی کی منزل بہت قریب ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ خُدا تک باریابی کے لئے یہی ایک راہ اب تک کُھلی ہوئی ہے باقی تمام راستے بند ہیں۔ خُدا کی طرف قدم بڑھانا چاہتے ہو تو تمہارے لئے بھی اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ کِسی مُرشدِ کامل کا دامن تلاش کرو۔ میں نے سنا ہے کہ مُرشدِ کامل ہی اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے۔ مُرشدِ کامل کے بغیر یہ راہ آج تک کسی نے بھی طے نہیں کی ہے عبداللہ!

جعفر کی اس بات پر عبداللہ کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ اس کا سوکھا ہوا چہرہ اس طرح کِھل گیا جیسے یاس کی تاریکیوں میں سے اُمید کی کوئی کِرن نظر آ گئی ہو۔ ایک غم نصیب شُکر گزار کی زبان میں سے اس نے جعفر کی ہمدردیوں کے جواب میں کہا: میرے دیرینہ ہمدم! تمہاری غم گسار رہنمائی کا شکریہ! تم نے میرے جلتے ہوئے زخموں پر جیسے تَسکین کا مرہم رکھ دیا ہے۔ اب اگرچہ میں مایوس نہیں ہوں لیکن میرے دوست! کسی مُرشدِ کامل کی تلاش کا صحیح شعور بھی تو مشکل امر ہے۔ اس مُشکل کو بھی اب تم ہی آسان کرو۔ تم ہی مُرشدِ کامل کا نِشان بتاؤ۔ میں اُس کی گلی میں سر کے بل جاؤں گا۔

عبداللہ کے اِس سوال پرجعفر ایک شریکِ غم کی طرح پھوٹ پڑا: میرے محسن! تم شکریہ ادا کر کے مُجھے شرمندہ نہ کرو۔ باور کرو! میرے خونِ جگر سے اگر تمہارے دل کی آگ بجھ سکتی ہے تو میں اس کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار پاتا ہوں مگر مُشکل یہ ہے کہ یہ آگ پانی سے نہیں تَجلیات کی خُنکی سے بُجھتی ہے۔ سردار تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو کہ میرا اور تمہارا ماحول دونوں کا ایک ہی رہا ہے۔ تُمہاری ہی طرح میں بھی اِن تمام چشموں سے گریزاں رہا ہوں جہاں خیال و عمل کی طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے تمہاری طرح مُجھے بھی کِسی مُرشدِ کامل کا کوئی تجربہ نہیں ہے ویسے میرا اپنا خیال ہے کہ مُرشدِ کامل کی تلاش ہی خُدا کی تلاش کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس لئے اگر تُم خُدا کا نام لے کر اِس مہم پر جو نکل پڑو تو مجھے یقین ہے کہ خُدا تمہاری مدد ضرور کرے گا۔ یہ راہ طے نہیں کی جاتی ہے سردار! کرائی جاتی ہے۔

جگر میں ٹیس اب بھی تھی لیکن زخموں کی جلن کم ہو گئی تھی۔ یاس کی تاریکیوں میں آنے والا عبداللہ اب اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ہاتھوں میں اُمید کا چَراغ بھی تھا۔ جعفر کی بات سن کر اضطرابِ شوق کے خود فراموشِ عالم میں عبداللہ اُٹھا اور سیدھا اپنے گھر لوٹ آیا۔ رات کافی ڈھل چکی تھی، رحمتِ یزدانی کے فرشتے آسمانوں کے دروازے کھول رہے تھے، ستاروں کی چاندنی میں اچانک ایک قافلۂ نور زمین کی طرف

اُترتا ہوا نظر آیا۔ شاید کسی فیروز بخت کی دُعا آج شرفِ قبول سے سرفراز ہونے والی تھی۔ عبداللہ اپنی کوٹھری کے ایک تاریک گوشے میں چُھپ کر رو رہا تھا۔ کبھی کبھی ہِچکیوں کے درمیان رقت و کرب میں ڈوبی ہوئی یہ آواز سنائی دیتی تھی: اے مغفرت و کرم کے والی! ایک شرم سارمجرم کو اپنی رحمت کے وسیع دامن میں پناہ دے دے، اے تِیرہ بَختوں کی اُمید گاہ! اپنی سیاہ کار زندگی سے تائب ہو کر آج میں تیری طرف پلٹ رہا ہوں، تو اپنی اُونچی بارگاہ سے ایک فریادی کی پُکار سُن لے۔ اے دل کے ٹوٹے ہوئے آبگینوں کو جوڑنے والے! ہر طرف سے ٹوٹ کر اب تیری راہ میں قدم اُٹھا رہا ہوں، بھیج دے کسی مُرشدِ کامل کو، تیری دہلیز تک مجھے پہنچا دے! بے نیاز مولیٰ! میں تیری بارگاہ عظمت کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر روؤں گا، مچل مچل کر تڑپوں گا اور زار زار فریاد کروں گا، یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔

رات پِچھلے پہر میں داخل ہو چُکی تھی۔ جلدی جلدی اس نے دعا تمام کی چاروں طرف ایک حسرت بھری نِگاہ ڈالی اور اللّٰہ کا نام لے کر گھر سے نکل پڑا۔ حق کی تلاش میں اُس کے سفر کا نُقطۂ آغاز تھا۔ گلیوں اور پُر پَیچ راستوں سے ہوتا ہوا وہ ایک چوراہے پر جا کھڑا ہوا۔ نامعلوم طور پر دل کے یقین نے نشان دہی کی کہ جہاں وہ کھڑا ہے وہی مُرشدِ کامل کی ملاقات کی جگہ ہے۔ انتظار میں کھڑے کھڑے کافی عرصہ بیت گیا، ستاروں کی آنکھیں ڈوبنے لگیں، اُمید و بیم کی کشمکش کا یہی عالم تھا کہ چند ہی لمحے کے بعد اسے کچھ فاصلے پر حرکت کرتا ہوا ایک سایہ نظر آیا۔ بے ساختہ دل نے آواز دی: مُرشدِ کامل آرہا ہے۔

پابوسی کے لئے شوق کی نِگاہ جُھکی، عقیدت نے قدم بڑھائے، اُمیدوں نے خیر مقدم کیا اور قریب پہنچ کر اس نے عالمِ بے خُودی میں پکارا: مُرشدِ کامل! میں تمھارا کب سے انتظار کر رہا ہوں۔ آؤ میرے قریب آؤ! میرے کشورِ دِل پر فرماں روائی کرو، مجھے مُرید کر لو، مجھے بے دام خرید لو، میں تمھارے ہاتھ پر اپنی متاع ہستی بیچ رہا ہوں، مجھے اپنے کاکل و رخ کا غلام بنالو، میں اپنے نصیبِ دشمن آزادی کو تمھارے قدموں پر نثار کرتا ہوں۔

آنے والے نے حیرانی کی عالم میں جواب دیا: میرے بھائی! میں تمھاری زبان نہیں سمجھ رہا ہوں، تم جس کا انتظار کر رہے ہو وہ میں نہیں ہوں، میں اندھیری راتوں کا سیاح ہوں، مجھے اجازت دو تمھاری اُمیدوں کا مرکز کوئی اور ہو گا۔

عبداللّٰہ نے دامن تھامتے ہوئے کہا: میں کس کا انتظار کر رہاہوں اور میری اُمیدوں کا مرکز کون ہے یہ جاننا تمھارا کام نہیں میرا کام ہے۔ خدا کے ایک بچھڑے ہوئے بندے کو خدا سے قریب کر دینا تمھاری ہستی کا سب سے اہم فریضہ ہے مُرشد! دیر مت کرو، مجھے جلد مُرید کر لو تا کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تمھاری رہنمائی میں میرے سفر کا دوسرا دور شروع ہو جائے۔

آنے والے نے ذرا سنجیدہ ہو کر جواب دیا: میرے بھائی! میں کہہ رہا ہوں کے تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں اُس راہ کا آدمی نہیں ہوں۔ میں کیا ہوں اور میرا پیشہ کیا ہے اگر تمھیں معلوم ہو جائے تو تم میرے منہ پر تھوک دو گے۔ اِس لئے بہتر ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ جس مہم پر آج میں اپنے گھر سے نکلا ہوں اب اُس کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔

ہزار انکار کے باوجود عبداللّٰہ اپنی ضد پر قائم تھا اور کسی طرح بھی اِس دامن سے الگ ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اب وہ بھی تنگ آچکا تھا اور ایک اجنبی دیوانے سے پیچھا چھڑانے کا کوئی حیلہ تلاش کر رہا تھا کہ اچانک اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: تو نہیں مانتے تو میں نے تمھیں مرید کر لیا۔ اب آج سے تم ہمارے ہاتھ بک گئے۔ جس پُر خطر راہ میں تم نے قدم رکھا ہے اُسے سلامتی کے ساتھ طے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے مُرشد کی غیر مُشروط اطاعت کرو۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم یہاں کھڑے رہو۔ جب تک میں واپس نہ آؤں یہیں کھڑے رہنا۔ یقین رکھو واپسی کے بعد میں تمھیں وہ رستے طے کرا دوں گا جو بارگاہِ ایزدی کی چوکھٹ تک پہنچاتے ہیں۔ اچھا اب اجازت دو۔

یہ کہتا ہوا وہ جس طرف سے آیا تھا اسی طرف واپس لوٹ گیا۔ جب تک وہ نظر آتا رہا عبداللّٰہ کی حسرت بھری نگاہیں اس کا قدم چومتی رہیں۔ صبح ہو گئی اور عبداللّٰہ انتظار میں کھڑا رہا۔ دن چڑھے تک شہر کے ایک مشہور شخص کا گھنٹوں ایک جگہ کھڑے رہنا معمولی بات نہیں تھی۔ ہر طرف سے آدمیوں کا تانتا بندھ گیا۔ لوگوں نے ہزار سمجھایا کہ وہ اپنے گھر واپس چلے لیکن سب کے لئے اس کے پاس ایک ہی جواب تھا: میری ہستی کا فرمانروا میرا مُرشدِ کامل مجھے حکم دے گیا ہے کہ جب تک پلٹ کر نہ آؤں تم یہیں کھڑے رہنا۔ اب میں اس کی واپسی تک یہاں سے کہیں نہیں ٹل سکتا۔ وہ وعدہ کر گیا ہے کہ مجھے بارگاہِ یزدانی کی چوکھٹ تک پہنچا دے گا۔

لوگوں نے اصرار کرتے ہوئے کہا: رات بھی ختم ہو گئی، اب دن کا آخری حصہ گزر رہا ہے۔ اُسے واپس آنا ہوتا تو اب تک آگیا ہوتا۔ اب اُس کا انتظار بے سود ہے۔ اُس نے تم سے جھوٹا وعدہ کیا ہے۔ عبداللّٰہ نے یقین کے تیور میں شرابور ہو کر جواب دیا: اپنی زبان کو آلودۂ گناہ مت کرو۔ مُرشدِ کامل کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ ضرور واپس آئے گا۔ دمِ رخصت اس نے کسی وقت کا تعین نہیں کیا تھا، اِس لئے اُس کی واپسی کی میعاد صبحِ محشر تک ہے۔ تم لوگ میرے راستے سے ہٹ جاؤ میں عُمر کے آخری لمحے تک اُس کا انتظار کروں گا۔

دنیا کی ہر چیز حرکت میں تھی، وقت کا قافلہ بھی رواں دواں تھا، کِتنی شامیں آئیں اور گزر گئیں، کتنے سُورج نکلے اور ڈوب گئے لیکن عبداللّٰہ اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور کھڑا ہی رہا۔ اب وہ علاقہ کا قابلِ نفرت جرائم پیشہ نہیں تھا۔ عقیدت کیش نگاہوں کا تماشا بن چکا تھا۔ ہزاروں شیدائی ہر وقت اُسے اپنے جُھرمٹ میں لئے رہتے تھے۔ مُرشدِ کامل کا انتظار اب تنہا اُسی کو نہیں تھا۔ دیوانوں کی ایک بہت بڑی جماعت اُس کے شریکِ حال ہو گئی تھی۔

چاندنی رات تھی، پچھلا پہر تھا، ساری آبادی پر خاموشی طاری تھی، تماشائی بھی غُنودگی کے عالم میں تھے، لیکن عبداللّٰہ بدستور کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھیں انتظار میں کھلی ہوئی تھیں۔ اچانک اُسے کِسی آنے والے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ پلٹ کر دیکھا تو سامنے ایک سفید پوش بُزرگ لمبی عُبا پہنے ہاتھ میں عصا لئے کھڑے تھے۔ نگاہوں کا جلال پیشانی کی طلعت اور چہرے سے برستا ہوا نور نشان دہی کر رہا تھا کہ انسانی پیکر میں کوئی آسمان کا فرشتہ اُتر آیا ہے۔ عظمتِ خداداد کی دھمک سے عبداللّٰہ کی آنکھیں

جُھک گئیں۔ دل ایک نامعلوم ہیبت سے مرعُوب ہو گیا۔ نو وارد بزرگ نے پُرشِکوہ لہجے میں دریافت کیا: یہاں کیوں کھڑے ہو؟ آنکھیں نیچی کئے ہوئے عبداللّٰہ نے جواب دیا: مُرشدِ کامل کے انتظار میں! نووارد بزرگ نے پھر سوال کیا: کون مُرشدِ کامل؟ عبداللّٰہ نے ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا: وہی مُرشدِ کامل جس کے ہاتھ پر میں مُرید ہو چکا ہوں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم یہیں میرا انتظار کرو میں واپس آنے کے بعد تمھیں بارگاہِ یزدانی کی چوکھٹ تک پہنچا دوں گا۔

نووارد بزرگ نے فہمائش کے انداز میں ارشاد فرمایا: میرے عزیز! وہ مُرشدِ کامل نہیں ہے۔ اندھیری راتوں کا سیاح ہے۔ بارگاہِ یزدانی کا راستہ اُسے خود نہیں معلوم، وہ تمھاری رہنمائی کیا کرے گا۔ اب وہ پلٹ کر نہیں آئے گا۔ بلاوجہ اُس کے انتظار میں اپنی جان مت ہلاک کرو۔ عبداللّٰہ نے اصرار کرتے ہوئے جواب دیا: میرے دل کا یقین کسی طرح متزلزل نہیں ہو سکتا۔ وہ ضرور واپس آئے گا اور اُسے بارگاہِ یزدانی کا راستہ قطعاً معلوم ہے۔ مُرشدِ کامل کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

نوارد بزرگ نے تنبیہہ کے لہجے میں فرمایا: ایک غلط بات پر اصرار مت کرو! تم سخت قسم کے فریب میں مبتلا ہو۔ اپنی نادانی سے ایک چور کو تم نے مُرشدِ کامل سمجھ لیا ہے۔ سوتے ہوئے انسانوں کی آنکھوں سے کاجل چرانے والا بھی اگر مُرشدِ کامل ہو سکتا ہے تو شامت کی ماری ہوئی دنیا کو اب مُرشدِ کامل کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔ افسوس تمھاری ناسمجھی پر!

اب عبداللّٰہ کا پیمانۂ ضبط لبریز ہو چکا تھا۔ مُرشدِ کامل کے خلاف نشتر برداشت نہ ہو سکا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ہچکیوں پر قابو پانے کے بعد اس نے درد و کرب کی آگ میں سلگتے ہوئے کہا: مجھے سخت افسوس ہے کہ ایک طرف تو آپ کا سراپا دلوں پر ملکوتی اثر ڈال رہا ہے اور دوسری طرف آپ مُرشدِ کامل یہ کی خدمت کر رہے ہیں۔ اتنا مقدس ہو کر آپ کا یہ انداز سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ گستاخی نہ ہو تو میں آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی معلوم کرنے کا اعزاز حاصل کر سکتا ہوں؟ نوارد بزرگ نے مسکراتے ہوئے کہا: میرا نام معلوم کر کے اگر تمھیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو سن لو کہ مجھے خضر کہتے ہیں۔ بھٹکے ہوئے مسافروں کو راہِ راست پر لانا میرے منصب کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اِسی رشتے میں نے تمھاری فہمائش کی ہے۔ نام سنتے ہی عبداللّٰہ نے جھک کر قدموں کا بوسہ لیا۔ عُبا کا دامن آنکھوں سے لگایا اور فرطِ ادب سے کانپتے ہوئے کہا: آج میں اپنی خوش نصیبی پر جس قدر بھی ناز کروں کم ہے۔ آج بغیر کسی زحمتِ التجا کے ان حیرت نصیب جلوؤں سے میری نگاہیں سیراب ہو رہی ہیں۔ اُس کے ساتھ ہی یہ عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ جس مُرشدِ کامل کو چور کہا جارہا ہے اُس سے مُرید ہونے کے بعد ہی مجھے یہ شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اس چور کی نسبت کا یہ اعزاز کیا میرے لئے قابل فخر نہیں ہے؟ زہے نصیب کہ آپ کی تشریف ارزانی سے مُرشدِ کامل پر یقین اور پُختہ ہو گیا۔

حضرت خضر نے کریمانہ انداز میں ارشاد فرمایا: پھر تم نے اِس غلطی کا اعادہ کیا۔ میں مُرشدِ کامل کو چور نہیں بنا رہا ہوں، تم نے ایک چور کو مُرشدِ کامل بنا لیا ہے۔ البتہ اب مشیت کا کچھ ایسا انداز معلوم ہو رہا کہ تمھاری ضد پر چور ہی کو مُرشدِ کامل بنا دیا جائے۔ طلبِ صادق کا یہ جنون اور جذبِ عشق کا یہ

ولولہ شیطان کی دستِ بُرد سے محفوظ رہ گیا تو یہ بشارت سن لو کہ اِسی جگہ مُرشدِ کامل سے تمھاری ملاقات ہو گئی اور اُس کے چند لمحوں کے بعد تم بارگاہِ یزدانی کی چوکھٹ پر خَلعتِ عِرفان سے سرفراز کئے جاؤ گے۔ انتظار کرو اُس ساعتِ جاں فروز کا جب تمہارے دل کی سرزمین پر تجلیاتِ الٰہی کا عرش بچھایا جائے گا۔ خدائے قادر تمہارے حوصلۂ جنوں انگیز کی حفاظت فرمائے۔

یہ کہتے ہوئے حضرت خضر واپس پلٹے اور دو قدم چل کر نگاہوں سے غائب ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سپیدہ سحر نمودار ہوا اورعبداللہ کے نصیبے کی رات کی تاریکی چھٹنے لگی۔ آج عرصۂ دراز کے بعد عبداللہ کو ذرا سی نیند آئی تھی۔ آنکھ لگتے ہی اس نے دیکھا کہ کارکُنان قضا و قدر عرشِ الٰہی کے سائے میں کھڑے ہیں۔ ناگہاں حجابِ عظمت سے سے ایک آواز آئی اور فرشتے ہیبتِ جلال سے سجدہ ریز ہو گئے۔

اندھیری راتوں کا سیاح یا عبداللہ کا مُرشدِ کامل جس کا نام یحیٰی تھا آج بے حد مسرور تھا۔ بَغداد عُروس البلاد کے متعلق بہت ساری روائتیں اُس نے سُنی تھیں۔ بہت دنوں سے اُسے اشتیاق تھا کہ ایک بار چل کر اِس دولت مند شہر میں قسمت آزمائی کی جائے۔ آج چند حوصلہ مند ساتھیوں کی مدد سے بغداد کی مہم کا پروگرام طے پا گیا تھا۔ مشورے کے مطابق صبح سویرے بغداد کے لئے روانگی تھی۔ اِس لئے رات ہی کو تمام ساتھی ایک جگہ جمع ہو گئے اور پو پھٹتے ہی اندھیری رات کے سیاحوں کا یہ دستہ بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے جیسے بغداد قریب آتا جا رہا تھا نامعلوم طور پر یحیٰی کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اپنی اِس بے چینی کا اُس نے ساتھیوں سے کئی بار ذکر بھی کیا لیکن اُنہوں نے اُس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ کئی دن شب و روز چلنے کے بعد یہ معلوم کر کے سب کو خوشی ہوئی کہ بغداد صرف ایک منزل کی مسافت پر رہ گیا تھا۔ شام ہو چکی تھی، ایک وادی کے نشیب سے گزرتے ہوئے جیسے وہ بلندی پر چڑھے سامنے بغداد کا حسین شہر جھلک رہا تھا۔ منزلِ مقصود پر نظر پڑتے ہی روح مسکرائی اور دل جھوم اُٹھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اب یہ دستہ بغداد کے شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ ایک وسیع شاہراہ سے گزرتے ہوئے ایک عالی شان عمارت نظر آئی۔ دروازے پر سواریوں کا ہجوم، گھوڑوں کی قطار اور اونٹوں کی بِھیڑ دیکھ کر یحیٰی (عبداللہ کا مُرشدِ کامل) چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا کہ یہ شہر کے کسی بڑے رئیس کا گھر ہے۔ پاس ہی کھڑے ہوئے ایک راہ گیر سے دریافت کیا: کیا یہ شہر کے بڑے رئیس کا گھر ہے؟ اس نے جواب دیا صرف شہر ہی کے نہیں بلکہ روئے زمین کے سب سے بڑے رئیس کا گھر ہے۔ آج تک اُس کے خزانے کی کوئی تھاہ نہیں پا سکا۔ اُس کے قدموں کے نِیچے سونے اور جوہرات کے کان بچھے رہتے ہیں۔ ہفت اقلیم کی بادشاہی اُس کے گھر کی ایک معمولی کنیز ہے۔ ہواؤں، دریاؤں، صحراؤں اور پہاڑوں پر، ہر جگہ اس کی شوکتِ اقتدار کا پرچم گڑا ہوا ہے۔

راہ گیر کی یہ بات سن کر اس کا دماغ ایک نامعلوم ہیبت سے مرعُوب ہو گیا۔ فرطِ حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بڑی مشکل سے یہ الفاظ ادا ہو سکے: اِس رئیس کا نام کیا ہے؟ ”ایک نام ہو تو کوئی بتائے بھی، بے شمار نام ہیں اِس کے، دست گیرِ کونین، شیخ الثقلین، خواجۂ کائنات، سلطان الا قطاب، مخدوم

الوریٰ، غوث الاعظم، امام اعظم، امامِ جیلان، محبوبِ سُبحانی، یہ اور اِس طرح کے ناموں کا ایک زریں سلسلہ اِس ذات سے منسوب ہے'' راہ گیر نے جلدی میں جواب دیا اور ایک لمحہ رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ یحیٰی نے فاتحانہ انداز میں اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے آج قسمت کا ستارہ عرُوج پر ہے۔ اتنے بڑے دولت مند کے گھر کا غبار ہی ہاتھ آگیا تو عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

آدھی رات تک غور و فکر کے بعد ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ یحیٰی نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ سب کے فرائض تقسیم کر دیے۔ آج جانے کیا بات تھی کہ غوثُ الوریٰ کے خانقاہ کا عَقبی دروازہ کُھلا ہوا تھا۔ رات کافی ڈھل چکی تھی۔ سارا بغداد نیند کی خاموشی میں شرابور تھا۔ کہیں کہیں سے رات کے پاسبانوں کی آواز کان میں آرہی تھی۔ یحیٰی دبے پاؤں خانقاہ کی عقبی دیوار کی طرف بڑھا اور دروازہ کھلا ہوا دیکھ کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ ہمت کر کے اندر داخل ہوا۔ اندھیرے میں دیر تک اِدھر اُدھر ٹٹولتا رہا لیکن کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی۔ سخت حیران تھا کہ اتنے بڑے رئیس کا گھر اور بالکل خالی! ناکامی کی حسرت کے ساتھ واپس ہوتے ہوئے سوچا کے کیوں نہ اس گھر کا غُبار ہی لیتے چلیں، ممکن ہے اس میں سونے اور جواہرات کی راکھ چھپی ہو۔ چاروں طرف سے گرد و غبار جمع کر کے ایک چھوٹی سی گٹھڑی بنائی اور لے کر جونہی دروازے سے باہر قدم نکالا کہ اچانک آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ دو چار پلک جھپکانے کے بعد اُسے محسوس ہوا کہ آنکھوں کی روشنی زائل ہو چکی ہے۔ گھبرا کر بیٹھ گیا۔ دل ڈوب رہا تھا، آگے بڑھنے کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ اتنے میں قریب ہی سے پاسبانوں کی آواز کان میں آئی۔ گھبرا کر پھر گھر کے اندر پلٹا اور ایک کونے کے اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔

کونین کا دستگیر اور ثقلین کا غوث تہجد کی نماز سے فارغ ہو چکا تھا۔ عارضِ تاباں سے نور کی کرن پھوٹ رہی تھی، پیشانی کی موجوں میں کرن لہرا رہا تھا، آنکھوں سے تجلیات کے چشمے اُبل رہے تھے اور دل کی شمعِ فروزاں تعلیمِ ولایت کے نگار خانوں کو چمکا رہی تھی۔ سامنے رجال الغیب ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ایک نقیب نے آگے بڑھ کر عرض کیا: عالم پناہ! فلاں شہر کے ابدال کا انتقال ہو گیا ہے۔ زبانِ حق ترجمان سے مغفرت و رحمت کی دعا دیتے ہوئے سرکار غوث الوریٰ آگے بڑھ گئے۔ اچانک کسی قدموں کی آہٹ پا کر یحیٰی کانپ اٹھا۔ بھاگنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ سوچ کر وہیں بیٹھ گیا۔

''آج میرے گھر کون مہمان ہے؟'' کشورِ دل کو فتح کر لینے والی ایک آواز کان میں آئی۔ اُمیدِ بیم کی کش مکش میں کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ایک اقبالی مجرم کی طرح بہ مشکل تمام الفاظ اُس کے منہ سے نکلے: سرکار! میں ہوں ایک شامت نصیب! اندھیری راتوں کا سیاح۔ دولتِ خداداد کا شُہرہ سن کر یہاں آیا تھا لیکن مصیبت کے ہاتھوں گرفتار ہو کر رہ گیا۔ اب زندگی کا سب سے بڑا ماتم یہ ہے کے یہاں آ کر اپنی آنکھوں کی بینائی کھو چکاہوں۔ آہ! روئے زمین کے سب سے بڑے رئیس کے گھر کتنی امیدیں لے کر آیا تھا، اب کون جانے قسمت کا کیا انجام ہو گا۔ اتنا کہتے کہتے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''رو مت! کرم کا آبگینہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس سے گھائل ہو جاتاہے۔ لو! میرے دامن میں

اپنی بھیگی پلکوں کے آنسو جذب کر لو، یہ مایوس اُمیدوں کی پناہ گاہ ہے۔ یہاں مجرم کو سزا نہیں دی جاتی، دل کی تطہیر کی جاتی ہے۔ اپنی ناکامی کا افسوس دل سے نکال دو۔ میری چوکھٹ کا اُمیدوار آج تک خالی ہاتھ نہیں واپس لوٹا ہے۔ صبر سے کام لو، آنکھوں کی روشنی نفع کے ساتھ واپس ہو گی'' یہ فرماتے ہوئے سرکار الوریٰ اُس کے بالکل قریب آ گئے۔ دوسرے ہی لمحے کرم کی نگاہ کار ساز اُٹھی اور اُس کی بے نور آنکھوں کی راہ سے دل تک پہنچ گئی۔ بس اب کیا تھا، آن کی آن میں عرفان کے سارے لطائف کھل گئے اور اب پلک جھپکی تو وہ عالمِ ناسوت کی آخری سرحد پر کھڑا تھا۔ اب ہرطرف تجلیات کا چہرہ اُس کی نگاہوں کے سامنے فروزاں تھا۔ اب وہ اندھیری راتوں کا سیاح نہیں تھا، ولایت کی اقلیم کا تاجدار بن چکا تھا۔ غوثُ الوریٰ کی سرکار سے حکم صادر ہوا: ابھی ابھی اطلاع آئی تھی کہ فلاں شہر کے ابدال کا انتقال ہو گیا ہے۔ آج سے اُس جگہ پر تمھیں بحال کیا جاتا ہے فوراً وہاں پہنچ کر اپنے منصب کے فرائض سنبھالو۔

ایک انتہاء جذبۂ عقیدت کے ساتھ جُھک کر اُس نے سرکار کی پائے گاہ کا بوسہ دیا اور الٹے پاؤں واپس لوٹا۔ دروازے تک پہنچ کر قدم باہر ہی نکالنا ہی چاہتا تھا کہ رجال الغیب کے مجمع سے آواز آئی: آخر ایک دیوانے کی ضد نے چور کو مُرشدِ کامل بنا ہی دیا۔

پھر اُسی شاہراہ سے وہ گزر رہا تھا جس پر چل کر وہ عرفانِ حقیقت کے بحر ذخار تک پہنچا تھا لیکن اب قدموں کے نیچے فرشِ زمین نہیں کائنات کا دل بچھا جا رہا تھا۔ جس راہ سے گزرتا گیا آنکھوں کے پیمانے سے قادری میکدے کی شراب ٹپکتی گئی۔ دن چڑھتے چڑھتے اس نے کئی روز کی مسافت طے کر لی تھی۔ اب وہ ولایت کی قلمِ رو میں داخل ہو چکا تھا۔ چند ہی قدم کے بعد شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ آبادی کے ایک چوراہے پر ہزاروں آدمیوں کا میلا لگا ہوا تھا۔ ایک اجنبی راہ گیر سمجھ کر لوگوں نے اس کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا ''اژدھام کے باعث ادھر سے آمد و رفت کا راستہ بند ہے، آپ کسی اور طرف سے جائیے''۔ استسفار پر لوگوں نے حیرت آمیز لہجے میں جواب دیا ''کئی ہفتے ہو گئے اس واقعہ کو! سارا علاقہ ہل گیا ہے اور آپ کو خبر نہیں ہے؟ بڑے تعجب کی بات ہے!''۔ یحییٰ نے کہا ''میں اس علاقے کا باشندہ نہیں ہوں، مجھے اصل واقعہ سے آگاہ کیا جائے''۔ لوگوں نے کہا ''ہمارے شہر کا ایک اچھا خاصہ آدمی کئی ہفتہ سے دیوانہ ہو گیا ہے۔ اِسی چوارہے پر دن رات کھڑا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں مُرشدِ کامل کے انتظار میں یہاں کھڑا ہوں۔ وہ مجھ سے وعدہ کر کے گیا ہے کہ تم یہیں میرا انتظار کرو میں واپس آنے کے بعد بارگاہِ یزدانی کی چوکھٹ تک تمھیں پہنچا دوں گا۔ ہزار اسے سمجھایا جاتا ہے کہ اب وہ نہیں آئے گا، اس کا انتظار بے سود ہے لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے۔ سب کو یہی جواب دیتا ہے کہ مُرشدِ کامل جھوٹ نہیں بول سکتا ہے وہ کبھی نہ کبھی ضرور آئے گا۔ دلوں کا میلان اُس کی طرف اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب وہ اکیلا نہیں رہتا ہے، اُس کے اردگرد ہر وقت پروانوں کا ایک جھمگٹ لگا رہتا ہے''۔

لوگوں کی باتیں سن کر دفعتاً اُس کا حافظہ تازہ ہو گیا اور اچانک اُس رات کا سارا واقعہ نگاہوں کے سامنے پھر گیا۔ اب غور سے دیکھا تو وہی چوراہا تھا جہاں ایک دیوانے سے اُس کی ملاقات ہوئی تھی اور اُس نے ہاتھ پکڑ کر مُرید کیا تھا اور اپنی واپسی تک وہیں انتظار کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ سارا واقعہ یاد آتے ہی وہ

بے خود ہو گیا۔ جذبات تابِ ضبط سے باہر ہو گئے، وارفتگیٔ شوق میں دامن پھاڑتا شور مچاتا مجمع کی طرف دوڑا اور ہجوم کو چیرتا پھاڑتا عبداللہ کے قریب پہنچ کر آواز دی۔

"میں آ گیا، میں آ گیا! میرے مُرید! میں اپنا وعدہ پورا کرنے آ گیا"۔ جانی پہچانی آواز سن کر عبداللہ چونک پڑا۔ جونہی چہرے پر نظر پڑی بے ساختہ چیخ پڑا "مُرشدِ کامل آ گیا! مُرشدِ کامل آ گیا! میں کہہ رہا تھا کہ مُرشدِ کامل جھوٹ نہیں بولتا وہ ضرور آئے گا"۔ یہ کہتا ہوا بے خودی میں تڑپا اور مُرشدِ کامل کے سینے سے لپٹ گیا۔ ایک بہت دنوں کی پیاسی روح چشمۂ عرفاں سے سیراب ہو رہی تھی اور تجلیات کا ایک نیا عالم نگاہوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ سینے سے لپٹے ہوئے ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ مُرشدِ کامل نے آواز دی "عبداللہ! آنکھیں کھولو! تم بارگاہِ یزدانی کی چوکھٹ تک پہنچ گئے"۔ آنکھ کھولتے ہی عبداللہ سجدے میں گر پڑا۔ ہاتف غیب نے آواز دی "آخر ایک بندۂ گنہگار نے عشق کی آہ و زاری اور فریاد کی سوز و تپش سے اپنے روٹھے ہوئے مولیٰ کو راضی کر ہی لیا"۔

شعاع مہر خود بیتاب ہے جذبِ محبت سے
حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پروازِ شبنم کی!

تحریر: علامہ ارشد القادریؒ

حدیثِ دل

تصوّف شرک ہے کیونکہ تصوّف نام ہے غیر اللہ سے قلب کی حفاظت کا اور درحقیقت غیر اللہ کا وجود ہی نہیں۔

صوفی دونوں جہانوں میں سوائے حق تعالیٰ کے کچھ نہیں دیکھتا۔

حضرت ابوبکرشبلی رحمت اللہ علیہ